بیع الحقوق عصر حاضر میں

مفتی عامر نواز صاحب

استاد معہد العلوم الاسلامیہ بنوں

(زیر نگرانی جامعہ المرکز الاسلامی بنوں پاکستان)

مال متقوم بننے کی بنیادی شرطیں:

مباحات عامہ کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں انہیں شرعاً مال متقوم کا درجہ دینے اور قابل بیع ہونے کے لیے چند شرطیں ناگزیر ہیں۔

۱...... وہ شئی مباح الانتفاع ہو۔

۲...... قابل انتفاع ہو، قبضہ اور دسترس سے باہر نہ ہو۔

۳...... ہر قسم کے غرر اور قمار سے خالی ہو۔

فقہائے احناف نے ایک اور چیز کا بھی اضافہ کیا کہ مالیت کی شان یہ ہے کہ وقت ضرورت کیلئے محفوظ کیا جا سکے جو چیزیں شرعاً محرم الانتفاع ہو ان کی بیع جائز نہیں ہے۔

شریعت اسلامی اہل اسلام کے حق میں انہیں قطعاً بے قیمت و ناقابل اعتناء قرار دیتی ہیں۔

" عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول ان الله ورسوله حرم بیع المیتة والخنزیر والا صنام " . (بخاری ومسلم).

" عن ابن عباس رضی الله عنه قال بلغ عمر رضی الله عنه ان سمرة با ع خمراً فقال قاتل الله سمرة الم یعلم ان رسول الله علیه وسلم قال لعن الله الیهود حرمت علیهم الشحو م فجمو لوها فبا عوها " . (حواله مذکور)

اسی طرح جو چیزیں محرم الاستعمال نہیں لیکن نا قابل انتفاع ہو یا تو اس لیے کہ وہ افادیت سے خالی ہو یا ان کی افادیت معلوم نہ ہو یا وہ معدوم ہو یا موجود ہو مگر وہ قبضہ اور دسترس سے باہر ہو وغیرہ۔

تو ایسی تمام چیزوں کی بیع درست نہیں ہے جیسا کہ دریا میں مچھلی کی بیع یا ہوا میں آزاد پرندوں کی بیع وغیرہ۔

اسی طرح بذات خود کوئی چیز کتنی ہی مفید اور اہم ہو لیکن اگر اس کی افادیت یا طریقہ استعمال یا طریقہ استفادہ معلوم نہ ہو تو وہ چیز بھی قابل بیع نہ ہوگی، ریت اور مٹی میں پہلے کوئی ایسی قابل لحاظ افادیت معلوم نہ تھی جو انہیں قابل بیع وشراء بنا سکے، اس لیے فقہاء نے انہیں مال میں شامل نہیں کیا ہے لیکن آج بے تکلف ان کی خرید وفروخت ہوتی ہے کیونکہ آج ان سے بہت مفید کام لیے جاتے ہیں اور ان سے بیش قیمت سامان تیار کیے جاتے ہیں۔

جدید تحقیقات وتجربات سے نئی نئی چیزیں دریافت ہو رہی ہیں اور ان کے عجیب وغریب فوائد وخصوصیات سامنے آرہے ہیں جن کا پہلے علم کیا، تصور بھی کسی کو نہ تھا، ہیرے سے بدر جہا سخت " کاربورنڈم " اور جواہرات سے کہیں زیادہ بیش قیمت " آئیڈیم " اور ہوا میں بھاری مقدار میں پایا جانے والا " نائٹروجن " جیسی گراں قدر آشیاء کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا لیکن آج یہ انتہائی کارآمد اور بیش بہا قیمت چیزیں ہیں، اس قسم کی تمام نو دریافت چیزیں آج قابل بیع قرار پائیں گی۔ جبکہ پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جو چیزیں ابھی وجود ہی میں نہ آئی ہو یا وہ قبضہ اور دسترس سے باہر ہو ان کی بیع بھی شرعاً درست نہیں، چنانچہ جانور کے پیٹ سے آئندہ پیدا ہونے والے بچے کی بیع، اسی طرح غیر مملوک اور غیر مقبوض اشیاء اور اس جیسی متعدد چیزوں کی بیع سے حدیث میں صراحتاً ممانعت آئی ہیں۔

" عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع حبل الحبلة .... الخ " . (مشكوة : ۲/ ۲۲۷).

" عن حكيم بن حزام قال قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرجل ليا تيني فير يد مني البيع وليس عندى مايطلب ، افا بيع منه ثم ابتاعة من السوق؟ قال لاتبع ما ليس عندك " (ترمذى ، ابوداؤد ، نسائى).

ہواؤں میں آزاد اڑنے والے پرندے، دریا میں تیرنے والی مچھلیاں صحراء میں پھرنے والے شکار، زمین کے اندر کانوں

میں چھپے پڑے سونا اور چاندی اور دیگر معادنیات اور اس جیسی دوسری چیزیں قبضہ ودسترس سے باہر ہونے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہیں۔اس لیے ان کی بیع درست نہیں ہے۔

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

" ان البائع اذا باع مالیس فی ملکه ولا له قدرة علی تسلیمه لیذهب ویحصله ویسلمه الی المشتری کان ذالک شبیها بالقمار والمخاطرة غیر حاجة بهما الی هذا العقد ولا تتوقف مصلحتهما علیه " . (زادالمعاد : ۴/ ۲٦۳).

اسی طرح بیع کی وہ تمام صورتیں ممنوع ومحظور ہوگی جن میں غرر وقماریت کی شکل پائی جائے۔

" عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع الغرر وبیع الحصاة " . (مسلم، ترمذی، ابوداؤد) .

" وعنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن الملامسة والمنابزة " .

(بخاری، مسلم، ترمذی).

ان کے علاوہ وہ تمام چیزیں جو شرعاً جائز الاستعمال، قابل انتفاع اور غرر سے خالی ہو، مال متقوم وقابل بیع قرار پاسکتی ہیں۔ عام اس سے کہ وہ اعیان کے قبیل سے ہو یا منافع اور حقوق کے قبیل سے بشرطیکہ وہاں کوئی اور محظور شرعی موجود نہ ہو اور عرف عام میں وہ مال اور ذریعہ تمول کا درجہ حاصل کریں۔

" المالیة تثبت بتمول الناس کافة او بعضهم والتقوم یثبت بها وباباحة الانتفاع به شرعاً " .

ترجمہ: یعنی مالیت ثابت ہوتی ہے تمام لوگوں کے مال سمجھنے سے یا بعض لوگوں کے مال سمجھنے سے اور شرعاً انتفاع کے مباح ہونے کی وجہ سے ۔

مال کی حقیقت شریعت ولغت کی نظر میں:

یہاں پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مال کی حقیقت کے بارے میں شریعت ولغت میں تعین ہے یا اس کو عرف وعادت الناس پر چھوڑا ہے، اگر مال کی حقیقت شریعت ولغت نے متعین کردی ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ مال صرف اور صرف وہی شئی قرار پائے گی جسے شریعت ولغت نے متعین کی ہو۔اور اگر مال کا مدار عرف پر ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مال ہر وہ شئی ہوگی جس چیز کو عرف میں مال تصور کیا جاتا ہو۔

جب ہم شریعت کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ شریعت نے مال کی حقیقت خود متعین نہیں کی ہے نہ تو مال کی تحدید قرآن میں مذکورہ ہے اور نہ ہی کوئی حدیث مال کی تحدید پر دال ہے۔ بلکہ نزول قرآن کے وقت اہل عرب کے نزدیک مال کا جو تصور تھا اس کو برقرار رکھا، اہل عرب کے نزدیک مال کا تصور کیا تھا تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مال اہل عرب کے نزدیک ہر اس چیز کو شامل ہے جس کے جمع کرنے اور مالک بننے کی طرف انسانی رغبت ہو اور جب ہم لغت کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو اہل لغت ہر اس شئی کو مال قرار دیتے ہیں جو لوگوں کے درمیان ذریعے تمول اور سبب ملکیت ہو وغیرہ بلکہ اس سلسلے میں ابن نجیم مصری اور شامی کا بیان بالکل واضح ہے۔

جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے کہ مالیت کل یا بعض لوگوں کے تمول سے ثابت ہوتی ہے یعنی جس چیز کو لوگ مالیت مال تصور کرنے لگے اس میں مالیت آجاتی ہے۔

اور جب یہ بات مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوگئی کہ شریعت ولغت نے مال کی حقیقت متعین نہیں کی ہے بلکہ اس کی حقیقت کو عرف اور عادت الناس پر چھوڑا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ مال کی حقیقت ہر دور میں مختلف رہا، کیونکہ عرف تبدیل ہوتا رہتا ہے۔تو اب ہر وہ شئی جو لوگوں کے درمیان ذریعے تمول، ملکیت ہو تو وہ چیز مال متصور ہوگی، اور شرعا اس کی بیع درست ہوگی اور یہ ہوسکتا ہے بہت سی چیزیں کسی زمانے میں نہ تو ذریعہ تمول تھی وا اور نہ ہی ان کی حاجت وضرورت لوگوں کو پیش آتی تھی، اور نہ ہی ان چیزوں کو کوئی اہمیت تھی، لیکن بعد کے زمانے میں وہی چیزیں لوگوں کی ضرورت بن گئی اور لوگوں کے درمیان ذریعہ تمول بن گئی۔تو ان چیزوں کو مال شمار نہیں کیا جاتا تھا۔

اس کی سب سے واضح اور بہترین مثال ریت اور مٹی ہے کہ ان کو گذشتہ ادوار میں مال تصور نہیں کیا جاتا تھا۔اس لئے کہ پہلے دور میں مٹی اور ریت کی ضرورت نہیں تھی۔نہ ہی ان کو کوئی اہمیت حاصل تھی، اس وجہ سے اس کی خرید و، فروخت بھی نہیں ہوتی تھی۔

اب حالات اور انقلاب زمانہ نے مٹی اور ریت کو ایک قیمتی اور قابل انتفاع چیز بنایا ہے کچھ دنوں پہلے تک تو کم سے کم دیہاتوں میں بلا قیمت مٹی اور ریت دستیاب ہو جایا کرتی تھی مگر اب دیہاتوں میں بھی اس کی خرید وفروحت عام ہے، اب اگر اس وقت ریت اور مٹی کو مال کی تعریف سے خارج کر کے اس کی خرید وفروخت پر شرعی طور پر پابندی عائد کردی جائے تو امت مسلمہ حرج وتنگی اور بے شمار مصائب میں مبتلا ہو جائے گی۔

اسی طرح زمانہ قدیم میں بہت سی چیزیں ایسی تھی جن کی نہ ضرورت تھی اور نہ ہی مال تصور کیا جاتا تھا جس کی بناء پر ان چیزوں کی خرید وفروخت کو فقہاء کرام نے ناجائز قرار دیا تھا۔

علامہ کاسانیؒ گوبر اور مینگی کی خرید وفروخت کی سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

" **ویجوز بیع السرقین و البعر لانہ مباح الانتفاع بہ شرعا علی الاطلاق فکان مالا ولا ینعقد بیع العذرۃ الخالصۃ لانہ لا یباح الانتفاع بھا بحال فلا تکون مالا الا اذا کان مخلوطا بالتراب والتراب غالب فیجوز بیعہ لانہ یجوز الانتفاع** "

(بدائع الصنائع: ٦، ٢٠١١)

ترجمہ:...... گوبر اور مینگنی کی خرید وفروخت جائز ہے اس لئے کہ یہ شرعی طور پر مباح الانتفاع ہے۔لہٰذا مال قرار پائے گی اور خالص گندگی کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے کسی بھی حال میں انتفاع نہیں کیا جاتا ہے لہذا مال قرار نہیں پائے گا۔لیکن اگر وہ مٹی کے ساتھ مخلوط ہو جائے اور مٹی کا حصہ غالب ہو تو اس کی بیع درست ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس سے انتفاع جائز ہے۔

علامہ کاسانیؒ نے یہاں پر ایک اصول بیان فرمایا اور وہ اصول یہ ہے کہ جو چیز مباح الانتفاع نہ ہو اس کی بیع درست نہیں ہے اور چونکہ گوبر اور مینگنی سے ہر دور میں انسانوں نے انتفاع کیا ہے اس لئے وہ مال کر قرار اور اس کی بیع درست ہوگی۔اس کے برخلاف خالص انسانی پاخانہ سے نہیں ہوسکتا اس لئے مال نہیں ہے۔مگر جب یہی پاخانہ مٹی میں مخلوط ہو جاتا ہے تو انسان اسے اپنے کھیتوں میں ڈالتا ہے اور ایک گونہ اس سے انتفاع ہوتا ہے اس لیے اس کی بیع درست ہوگی۔

اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر چہ خرید وفروخت کے لیے " مال " ہونا نہایت ضروری ہے لیکن مال کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مال کا معنی اور مفہوم بہت وسیع ہے جس کا دائرہ مادی اشیاء اور اعیان

سے بڑھ کر منافع اور حقوق کو بھی شامل ہے۔

"مال" کا قابل ادخار ہونے کی حقیقت:

مال متقوم بننے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ وقت ضرورت کے لیے محفوظ ہونا بھی ممکن ہو یعنی وہ چیز قابل ادخار ہو۔لیکن ادخار کا مفہوم کیا ہے؟ اس بارے میں اگر غور کر لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ادخار کا معنی اور مفہوم بہت عام اور وسیع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی انسان کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے کوئی مناسب تدبیر اختیار کر کے اس چیز کو اپنی تسلط میں اور اپنے قبضے میں لے لیں اس طور پر کہ جب بھی وہ چاہے اور جس طرح بھی چاہے یعنی جس انداز سے اور جس وقت اس چیز کو استعمال کرنا چاہے تو وہ اس کو استعمال کرنے پر قادر ہو۔

اب مختلف آشیاء کو اپنے قبضے اور استعمال میں لانے کی وجہ سے بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔کیونکہ قبضہ اور استعمال مختلف آشیاء کی مختلف ہوگی مثلاً ہاتھ میں لینا یا پکڑنا،اسی طرح جیب میں رکھنا،گھر یا دفتر میں رکھنا،باڑے اور اصطبل میں رکھنا،رہائش اور زراعت میں استعمال کرنا وغیرہ۔

جب ہم نے دیکھا کہ ادخار کا معنی بہت وسیع اور عام ہے تو اس کی وجہ سے موجودہ زمانے کے بہت سے نو پیدا آشیاء اس کے تحت آجائیں گے جو کہ بایں معنی عین نہیں ہیں کہ آدمی کسی دکان میں جا کر اس کو حاصل کرلے اور ہاتھ میں لے کر یا اسی طرح تھیلے وغیرہ میں رکھ کر لے آئے بلکہ نہ تو اس کو پکڑ سکتا ہے اور نہ ہی دیکھ سکتا ہے البتہ محسوس کر سکتا ہے۔اسی طرح مخصوص ظرف میں رکھ کر یا بند کر کے حسب ضرورت استعمال میں آدمی با اختیار ہو جاتا ہے۔

جیسے "گیس" جس کی مختلف شکلیں اس وقت موجود و رائج ہیں۔اور مواقع استعمال بھی مختلف اور الگ الگ ہیں۔

اسی طرح وہ آشیاء کہ جن کے حق میں استعمال و انتفاع پر قدرت کے لیے مخصوص تدبیریں کرنی پڑتی ہیں۔اور پھر آدمی حسب ارادہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔مثلاً پانی کا کنکشن،گیس کا کنکشن،بجلی کا کنکشن ظاہر ہے۔کہ ان سب کی خرید و فروخت ہی ہوتی ہے اور گھروں میں لگائے گئے میٹر حاصل کردہ یا صرف کردہ مقدار کی نشاندہی و تعیین کرتے ہیں۔

اسی طرح کسی صنعت وغیرہ سے متعلق اگر کوئی کاغذی سرکاری کاروائی اس طرح ہو جائے کہ سرکار کی طرف سے عطاء کردہ مخصوص کاغذ کے ساتھ اس کا تعلق ہو جائے و راس کو حاصل کرنے والا اس سے مادی منافع حاصل کرنے کے سلسلے میں با اختیار ہو جائے

تو یہ بھی ادخار اور احراز میں شامل تصور کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا بھی اس کو ادخار اور احراز میں شمار کرنے کی تصریح موجود ہیں۔

لہٰذا ادخار کا یہ مفہوم تو نہیں لیا جاسکتا کہ حاصل شدہ شئے کو بند کر کے رکھا جاسکے البتہ جو بھی شئی ہو اور اس کے بعد جب بھی آدمی کا دل چاہے تو اس کو استعمال کرلیں۔

جس پر شیخ زرقاء وغیرہ نے سبزیوں سے متعلق اعتراض کیا ہے، جیسے کہ ان حضرات نے مال کی تعریف میں " میلان ورغبت " کے لفظ پر بھی نقد کیا ہے۔

حالانکہ جواب واضح ہے کہ میلان وغیرہ کا مطلب یہاں یہ نہیں ہے کہ مالیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی اس کو پسند کرتا ہو اور وہ اس کو اچھی لگتی ہو اور اگر کھانے پینے کی چیز ہو تو پوری رضا ورغبت کے ساتھ اس کو کھائے یا کسی طرح استعمال میں لائے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ آدمی اپنی پیش آمدہ یا متوقع کسی بھی قسم کی ضرورت کے لیے اس کو حاصل کرنا پسند کرتا ہو۔ بدمزہ دواؤں، زہر کے قسم کی چیزوں یا نجاست کے ساتھ آلودہ اشیاء کا یہی معاملہ ہے۔

اسی طرح " ادخار " کا مفہوم بند کرنا و محفوظ کرنا نہیں کہ سبزی جیسی چیزیں دو چار دن سے زیادہ نہیں رکھی جاسکتی اور آج مال کی نہ جانے کتنی انواع ہیں کہ جن کو اپنے اختیار سے بند کرنا یا اپنے ہاتھ و مٹھی میں لینا یا کسی ظرف یا برتن میں رکھنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ شامی نے ذکر کیا ہے:

" ولا ن الا نتفاع بالمال يعتبر فی کل شی ء مما يصلح له " . (ردالمختار).

اور اسی طرح محل بیع پر قبضہ کے سلسلے میں ہمارے فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے جیسا کہ شامی میں مذکور ہے:

" لکن ذالک يختلف باختلاف حال المبيع " (ردالمختار).

اسی طرح چوری میں حرز کے متعلق بھی مذکور ہے:

" حرز کل شی ء معتبر بحرز مثله " . (ردالمختار : ۲۰۲/۳).

لہٰذا ان عبارات سے واضح ہوا کہ ہر شئی کی احراز اس کی حیثیت سے ہوتی ہے اور اس کے لیے اعیان میں سے ہونا شرط نہیں ہے۔

اعراض ومعنویات بھی مال ہیں:

اب تک کی بحث میں مال متقوم بننے کے شرائط کی تفصیل مذکور تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دراصل فقہاء کرام کی بیان کردہ مال کی تعریف میں کوئی اختلاف واضطراب نہیں، حاصل سب کا ایک ہی ہے وہ یہ کہ مال وہ شئی کہلاتی ہے جو ذریعہ تمول ہو اور جس کی بناء پر آدمی عرفاً مالدار سمجھا جاتا ہو، فقہاء کرام نے جو کچھ بھی فرمایا وہ دراصل مال کی حالت، اس کی شان اور اس کے خواص واوصاف ذکر فرمائے ہیں اور انہیں خواص وعلامات کے ذریعے مال کی تعریف فرمادی اسی وجہ سے فقہاء کرام نے مختلف انداز میں تعریفات کا ذکر فرمایا جیسا کہ:

" المراد بالمال مايميل اليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة " .

(شامی : ۳/۴) .

" وامكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار " . (بحر : ۵/۲۵۷).

" اى ما يمكن احرازه " . (فتح القدير : ۵/ ۲۰۴).

" لايقع اسم مال الا على ماله قيمة " . (الاشباه للسيوطى : ص : ۲۵۸).

" المال هو كل عين ذات قيمة مادية بين الناس " .

(الفقه الاسلامى وادلة : ۴/۳۴۵).

" المراد بالمال عين يجرى فيه التنافس والا بتزال " .

(الدار المنتقى: ۲/۳).

ان تمام تعریفات پر اگر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ فقہاء کرام نے خواص وعلامات کے ذریعے مال کی تعریف کردی اور کسی شئی کی حقیقت کے پائے جانے میں زمانے اور عرف کے حالات کے لحاظ سے علامات میں تغیر وتبدل اور تخلف ممکن ہے۔

لہٰذا پہلے زمانے میں مال وہی آشیاء ہوا کرتی تھی۔ جن کا تعلق اعیان ومادیات سے ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ انہیں آشیاء کو قبضہ کے بعد ذخیرہ بنا کر کام میں لانا ممکن ہوتا تھا۔ اس واسطے اس عہد کے فقہاء نے اعیان کو تو مال میں شمار کیا اور اعراض ومعنویات کو مال سے خارج فرمایا:

اور وجہ اس کی صرف یہ تھی کہ اعیان کا تو احراز و ادخار ممکن تھا۔ اعراض و معنویات کا ممکن نہ تھا۔ اعیان تو باقی رہنے والے اور اعراض غیر باقی اور غیر محفوظ رہنے والے تھے۔ اس لیے فقہاء نے اعراض و معنویات کو مال میں شامل نہ فرمایا بلکہ مال کو اعیان کے ساتھ مخصوص فرمایا:

" لان المنفعة عرض والعض غير بات ، وغير اطباقي غير محرز ، لأن الا حراز هو الصيانة والا دخار لوقت الحاجة فيتوقف على البقاء لا لحالة ، وما ليس نمحرز ليس بمتقوم ...... والمال مامن شانه ان يدخر للانتفاع به وقت الحاجة "

(شرح التوضيح على التلويح : ص : ۱۷۱).

" وامكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار "

(بحر الرائق : ۵/ ۲۵۷).

اس تفصیل و تصریح کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور میں بہت سی ایسی اشیاء جو مادیات اور اعیان کے قبیل سے نہیں بلکہ اعراض و معنویات کے قبیل کی ہیں اگرچہ پہلے زمانے میں صیانہ، احراز، ادخار نہ ہونے کی وجہ سے مال نہ تھیں لیکن انہیں معنویات و اعراض پر اب قبضہ بھی کیا جا چکا اس کا احراز و ادخار کیا جانے لگا اس لیے اب ان اشیاء کو بھی مال کہنا چاہیئے ۔ کیونکہ مال کی تعریف میں جن لوگوں نے اعیان کی قید لگائی ہے اس سے مقصود بالذات عینیت نہیں ہے بلکہ چونکہ اس زمانہ میں اعیان ہی کا ادخار ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس کی تصریح کر دی۔ ورنہ ہر وہ شئی جس پر بھی قبضہ و ادخار ممکن ہو اس کو بھی اعیان کے حکم میں شامل کر کے اس کو بھی مال کہا جائے گا۔

مثال کے طور پر برقی قوت جو کہ از قبیل معنویات ہے گذشتہ زمانے میں اس کو مال نہ سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس پر قبضہ کرنا یا اس کو ذریعہ تمول سمجھنا عادۃً ممکن نہ تھا۔ اس لیے اس کی بیع کے جواز کے کوئی معنی نہ تھے۔ لیکن اب قوت برقیہ کو قابل انتفاع اور ذخیرہ اندوزی و تمول کا ذریعہ سمجھا جانے لگا لیے اب اس کو ایک قیمتی مال سمجھا جاتا ہے۔

اس کی اور موٹی مثال ہوا، گیس، انسانی آواز ہیں کہ زمانہ میں ان کے محفوظ کرنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لیے ان اشیاء کو مال نہیں کہا جاتا تھا۔ لیکن آج کے دور میں ان میں سے ہر ایک کو محفوظ کیا جانے لگا، ان کے ذریعہ ذخیرہ اندوزی بھی ہوتی ہے، یہ اشیاء ذریعہ تمول بھی سمجھی جاتی ہے اور عرف میں ان کو قیمتی مال سمجھا جاتا ہے اس لیے وہ قیمتی مال کے مصداق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہر وہ شئی خواہ اعیان و مادیات کے قبیل سے ہوں یا اعراض و معنویات کے قبیل سے جو بھی ذخیرہ بنانے کے قابل ہو، جس کو وقت پر کام میں لایا جاسکتا ہو اور عرفاً وہ مال سمجھی جاتی ہو، شریعت میں بھی اس کو مال سمجھا جائے گا۔

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض محققین نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہیں:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

" لا شک ان للعرف مجالاً فی ادراج بعض الا شیاء فی الاعیان لان المالیة کما یقول ابن عابدین رحمه الله تثبت بتمول الناس وهذا مثل القوة الکهربائية التی لکم تکن فی الا زمان السا لفة تعد من الاموال والا عیان المقومة ولکنها صارت الان من اعزا الاموال المتقومة التی لا شبهه فی جواز بیعها وشرائها وذالک لنفعها البائع ولا مکان احراز ها والتعارف الناس بما لیتها وتقویمها "
(بیع الحقوق المجرده : ص : ۴۲).

(جاری ہے......)۔

......☆☆☆☆☆......